السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ

ایک علمی تعاقب کیا فرماتے ہیں علمائے کرام محققین اور محدیثین اس مسئلہ کے بارے میں کہ نماز تراویں کے بعد باجماعت نوافل پڑھانے شریعت محدیہ ﷺ کی رو سے جائز ہیں یا نہیں ؟ اگر کوئی عالم دین رمضان المبارک کی راتوں میں اہتمام کے ساتھ باجماعت نوافل پڑھاتا ہے تو کیا وہ نبی اکرم ﷺ کی سنت کی کلاف ورزی کرتا ہے ؟ کیا وہ بدعت کرتا ہے یا نہیں ؟ شریعت محدی کی رو سے بدعتی کہلائے گا یا نہیں ؟ (سائل : عبدالحفیظ چوک برف خانہ لاہور)

الجواب بعون الوہاب بشرط صحة السؤال

وعلیکم السلام ورحمة اللہ وبرکاتہ!

الحمد للہ، والصلاة والسلام علیٰ رسول اللہ، أما بعد!

صورت مسئولہ میں واضح ہوکریہاں دو باتیں قابل لحاظ ہیں : اول یہ کہ نفل باجماعت ادا کرنا۔ دوسرے یہ کہ نفل نماز کی جماعت کا اہتمام اور اس پر دوام اور اصرار، یعنی خاص وقت یا معین مہینہ میں اس کا خصوصی اہتمام اور اس پر دوام واصرار۔ جہاں تک پہلی بات کا تعلق ہے تو یہ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے۔ جیساکہ صحیح بخاری (ص۸۷ ج ۱) میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں ایک رات اپنی خالہ محترمہ ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہما کے ہاں ٹھہرا ہوا تھا تو جب تہجد کے لئے رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے تو ہم نے بھی آپ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی۔ اور اسی طرح صحیح بخاری میں س ۵۸ باب صلوۃ النوافل جماعۃ ج ۱ ۵۸ لخ میں جناب محمود بن ربیع رضی اللہ عنہ سے حضرت عتبان بن مالک کا واقعہ منقول ہے۔ ان دونوں احادیث صحیحہ سے ثابت ہوا کہ نوافل کی جماعت بلاریب جائز ہے۔ مگر یہ اتفاقی امر ہے جس کی صورت مثلاً یہ ہے کہ ایک آدمی نفل نماز پڑھ رہا ہے اتنے میں ایک دوسرا آدمی دیکھتا ہے کہ مولوی صاحب یا حافظ صاحب نفل نماز پڑھ رہے ہیں وہ بھی شامل ہو جائے تو یہ تو درست ہے۔ لیکن اس کا اہتمام کرنا، اعلانات اور دوسری تشویقات اور ترغیبات کے ذریعہ مردوں اور عورتوں کو اکھٹا کر کے نوافل کو باجماعت بالدوام ادا کرنا نہ صرف جائز نہیں، بلکہ بدعت ہے اور اسی طرح وتروں کے بعد دو رکعت نفل پڑھنے بھی ثابت ہیں۔ صحیح مسلم کے نامور شارح امام نوویؒ نے یہ بھی وضاحت فرمائی ہے کہ آپ ﷺ نے ان دو نفلوں پر ہمیشگی نہیں فرمائی۔ یعنی یہ آپ ﷺ کی عادت مستمرہ نہ تھی۔ (صحیح مسلم باب الصلوۃ اللیل وعدد الرکعات ج ۱ ص۲۵۴ : ج ۱ وقفہ السنۃ : ج ۱ ص ۱۶۴)

اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ اتفاقی طور پر نوافل باجماعت جائز ہیں اور یہ بھی ثابت ہوا کہ وتر نماز کے بعد دو رکعت نماز نفل پڑھنے بھی جائز ہیں مگر دوام کے ساتھ نہیں بلکہ کبھی کبھار اور بس۔

اب لیجئے مسئلہ کی دوسری شق، یعنی اس مطلق جواز کے ہونے پر دوام اور ہمیشگی اور وہ بھی مہینی اور وقت کے تعین کے ساتھ پڑھی جانے والے نماز نفل کی باجماعت تکرار تو یہ بلاشبہ جائز نہیں، بلکہ اس پر دوام اور اصرار شائبہ بدعت سے خالی نہیں۔ کیونکہ یہ تقیدات مع اہتمام اس مطلق جواز کو بدعت میں بدل دیتے ہیں۔ جیساکہ نماز چاشت بلاریب صحیح احادیث سے ثابت ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا سے یہ نماز مروی ہے اور نبی کریم ﷺ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو اس کی پابندی کی وصیت بھی فرمائی تھی۔ (ملاحظہ ہو صحیح بخاری : ج ۱ ص۱۵۷) مگر اس وصیت کے باوصف حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نماز چاشت کو بدعت قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت مجاہد تابعی کا اظہار ہے میں اور عروہ بن زبیر دونوں مسجد میں داخل ہوئے۔

(فَإِذَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ جَالِسٌ إِلَى حُجْرَةِ عَائِشَةَ، وَإِذَا النَّاسُ يُصَلُّونَ فِي الْمَسْجِدِ صَلَاةَ الضُّحَى، قَالَ : فَسَأَلْنَاهُ عَنْ صَلَاتِهِمْ، فَقَالَ : بِدْعَةٌ۔ (بخاری : باب کم اعتمی النبی ﷺ ج ۱ ص۲۳۸ و صحیح مسلم مع النووی : ج ۱ ص ۴۰۹

مجاہد کہتے ہیں کہ جب ہم مسجد نبوی ﷺ میں داخل ہوئے تو جناب عبداللہ بن عمر عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ کے پاس تشریف فرماتھے۔ اور اس وقت کچھ لوگ مسجد میں چاشت پڑھ رہے تھے۔ ہم نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے ان کی اس نماز کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ یہ بدعت ہے۔

جب کہ یہ نماز متعدد اسانید صحیحہ قویہ سے مروی ہ جیساکہ اوپر بخاری شریف کے حوالہ سے آپ پڑھ چکے ہیں۔ بایں ہمہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے اس کو بدعت کیوں کہا۔ بدعت اس لئے کہا کہ نبی کریم ﷺ کے عہد سعادت معہد میں اس نماز کو باجماعت ادا کرنے کا دستور نہ تھا۔ جب کہ یہ لوگ اس کو باجماعت ادا کر رہے تھے۔ چنانچہ امام نوویؒ لکھتے ہیں :

(مرادہ أن اظہارھا والاجتماع لھا بدعۃ لاأن صلوۃ الضحی بدعۃ۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۰۹

”حضرت عبداللہ بن عم رضی اللہ عنہ کی مراد یہ تھی کہ نماز چاشت کو مسجد میں ظاہر کر کے پڑھنا اور اس کے لئے اجتماع اور اہتمام کرنا بدعت ہے نہ یہ کہ نماز چاشت ہی سرے سے بدعت ہے۔“

امام ابو بکر محمد بن ولید الطرطوشی مالکی لکھتے ہیں :

(فَحملہٗ عِنْدَنَا عَلَى أَحدِ وَجْہَیْنِ : إِمَّا أَنَّھُمْ یُصَلُّونَھَا جَمَاعَۃً، وَإِمَّا أَنَّھُمْ یُصَلُّونَھَا مَعًا أَفْذَاذًا عَلَى ہَیْئَۃِ النَّوَافِلِ فِي أَعْقَابِ الْفَرَائِضِ۔ (کتاب الحودت والبدع : ص ۴۰

”حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی اس نماز کو یا تو اس لئے بدعت کہا کہ وہ اسے باجماعت پڑھ رہے تھے یا اکیلے اکیلے پڑھ رہے تھے، مگر اس طرح سے جیسے فرائض کے بعد ایک ہی وقت تمام نمازی حضرات سنن رواتب کرتے ہیں۔“

سبحان اللہ۔ اللہ اکبر (۲):

لا الٰہ الا اللہ کا وظیفہ اپنے اندر بڑے فضائل رکھتا ہے اور مفسرین نے اس کو باقیات صالحات میں شمار کیا ہے۔ خصوصاً لا الٰہ الا اللہ کے وظیفہ کو احادیث میں افضل ذکر قرار دیا گیا ہے۔ جو اضافہ احسان اور بلندی درجات کا مضبوط ترین باعث اور نجات اخروی کا کامیاب ترین ذریعہ ہے۔ مگر اس کے باوصف جب اس وظیفہ کو خاص تقیدات اور تنکلفات والتزامات کے ساتھ پڑھا جائے گا تو یہی وظیفہ ہلاکت اور خسران کا ذریعہ قرار پائے گا، جیسا کہ سنن دارمی میں بسند صحیح حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا واقعہ مشہور ہے کہ کچھ لوگ کوفہ شہر کی مسجد میں سحری کے وقت حلقہ بنا کر کنکریوں پر سبحان اللہ، اللہ اکبر اور لا الٰہ الا اللہ سو سو مرتبہ پڑھ رہے تھے تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے انہیں ڈانٹ پلاتے ہوئے فرمایا تھا:

فقال فعدوا من سیاتکم فانا ضامن ان لایضیع من حسناتکم شئی ویحکم یا امۃ محمد ﷺ ما اسرع ھلکتکم ھولاء صحابۃ نبیکم ﷺ متوافرون وھذا ثیابہ ﷺ لم تبل وانیتہ لم تکسر وانتم مفتحی باب ضلالۃ۔ (مسند دارمی بسند صحیح۔ ج ۱ باب کراھیۃ اخذ الرای ص ٦)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ان الدین کے بعد فرمایا تم اپنی ان کنکریوں پر اپنے گناہوں کو شمار کرو۔ میں ضمانت دیتا ہوں کہ تمہاری نیکیاں ضائع نہیں ہوگی۔ افسوس ہے تم پر اے امت محمد ﷺ تم کتنی جلدی ہلاکت میں بتلا ہوگئے ہو۔ ابھی تو تم صحابہ رسول ﷺ بکثرت زندہ موجود ہیں۔ ابھی تو رسول اللہ ﷺ کے کپڑے بھی پرانے نہیں ہوئے، اور آپ ﷺ کے استعمال میں آنے والے برتن بھی نہیں ٹوٹے۔ کیا تم (اتنی جلدی) ایسا کرکے گمراہی کا دروازہ کھول رہے ہو۔''

اور اس طرح اور بھی بہت سے واقعات منقول ہیں مگر لعل کفایۃ کفایۃ لمن بہ ادنی درایۃ۔

اس ساری گفتگو سے ثابت ہوا کہ عبادت اور طاعت شرع میں جس طرح منقول ہو اس کو اسی انداز میں ادا کرنا چاہیے۔ یعنی اس کو اس کی اسی ہیئت پر قائم رکھنا چاہیے جس ہیئت میں منقول ہو اگر اس مطلق عبادت اور نیک عمل کو کسی خاص قید کے ساتھ مقید کیا جائے گا ی اس غیر موقت کو موقت بنایا جائے اگا یا اس غیر معین کو معین کیا جائے گا تو وہ لامحالہ بدعت بن جائے گی۔ چنانچہ یہی وہ نکتہ ہے جس کے پیش نظر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے نماز چاشت کی جماعت کو بدعت قرار دیا تھا اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے حلقہ باندھ کر اللہ اکبر، سبحان اللہ اور لا الٰہ الا اللہ کے ذکر کو بدعت اور گمراہی اور ہلاکت قرار دیا ہے۔

حضرت امام ابو اسحاق شاطبی غرناطی بدعات کی تعیین اور ان کا رد کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں (۳):

ومنھا التزام الکیفیات بھیئۃ الاجتماع علی صوت واحد واتخاذ یوم وولادۃ النبی ﷺ عیدا وما أشبہ ذلک ومنھا التزام العبادات المعینۃ فی أوقات معینۃ لم یوجد لھا ذلک التیین فی الشریعۃ کالتزام یوم نصف من شعبان وقیام لیلتہ۔ (کتاب الاعتصام للشاطبی: ج ۱ ص ۲۰۰)

''من جملہ بدعات کے یہ بھی بدعت ہے کہ کسی نیک عمل کی ادائیگی کے لئے کیفیات مخصوصہ اور ہیئات معینہ کا التزام کیا جائے۔ جیسا کہ ہیئت اجتماع کے ساتھ ایک آواز میں ذکر کرنا۔ اور حضرت نبی کریم ﷺ کے یوم ولادت باسعادت کو عید منانا وغیرہ اور انہی بدعات میں سے ایک یہ بدعت بھی ہے کہ اوقات خاص کے اندر ایسی عبادت معینہ کا التزام کرلینا جن کی ادائیگی کے لئے شریعت نے وہ اوقات معین نہیں کئے۔ جیسے پندرہ شعبان کا روزہ اور اس کی شب کا عبادت کا التزام ہے:

حضرت موصوف ایک دوسرے مقام پر مزید تفصیل کے ساتھ رقم طراز ہیں:

فَإذا ندبَ الشَّرعُ مثلًا إلى ذِكرِ اللهِ، فالتزَمَ قومٌ الاجتماعَ عليهِ على لِسانٍ واحدٍ وبِصوتٍ، أو في وقتٍ معلومٍ مخصوصٍ عن سائرِ الأوقاتِ؛ لم يكن في ندبِ الشَّرعِ ما يدُلُّ على هذا التَّخصيصِ المُلتزَمِ، بل فيهِ ما يدُلُّ على خلافِهِ؛ لأنَّ التزامَ الأمورِ غيرِ اللازمةِ شرعًا شأنُها أن تُفهِمَ التَّشريعَ، وخُصوصًا مع مَن يُقتدى بهِ في مَجامعِ النَّاسِ كالمساجدِ؛ فإنَّها إذا ظهرت هذا الإظهارَ ووُضعت في المساجدِ كسائرِ الشَّعائرِ الَّتي وضعها رسولُ اللهِ صلَّى اللهُ عليهِ وسلَّم في المساجدِ وما أشبهها كالأذانِ وصلاةِ العيدينِ والاستسقاءِ والكُسوفِ؛ فُهِم منها بلا شكٍّ أنَّها سُنَنٌ، إذا لم تُفهَم منها الفرضيَّةُ، فأحرى أن لا يتناولها الدَّليلُ المُستدَلُّ بهِ، فصارت من هذهِ الجهةِ بدعًا مُحدَثةً بذلكَ (الإعتصام ج ۱ ص ۲۲۰)

''جب شریعت نے کسی چیز کو مندوب قرار دیا ہو۔ جیسے مثلاً: اللہ کا ذکر۔ اگر ایک قوم اس کا التزام کرے کہ ایک زبان ہو کر ایک ہی آواز سے ذکر کرنے لگ جاتی ہے یا دیگر اوقات کے علاوہ کسی معلوم اور مخصوص وقت کی پابندی کے ساتھ وہ ذکر کرتی ہے تو شریعت کی ترغیب اس معین تخصیص اور التزام پر ہرگز دلیل نہ ہوگی۔ بلکہ شریعت اس کے خلاف ہوگی۔ کیونکہ جو امور شرعاً لازم نہیں ان کا التزام کرنا دراصل شریعت سازی کا حکم رکھتا ہے (جبکہ شریعت سازی کا حق غیر نبی کو قطعاً حاصل نہیں) بالخصوص جب کہ ان غیر لازم امور کا التزام مساجد کے نامی گرامی ائمہ کرام اپنی مساجد میں شروع کر دیں تو لامحالہ وہ غیر ثابت امور عوام الناس میں کم ازکم سنت کا درجہ ضرور حاصل کرلیں گے، لہٰذا اس جہت سے یہ امور بلاشبہ قرار پاتے ہیں۔''

امام ممدوح ایک تیسرے مقام پر لکھتے ہیں:

فإذا اجتمعَ في النَّافلةِ أن يلتزِمَ السُّنَنَ الرَّواتبَ إمَّا دائمًا وإمَّا في أوقاتٍ محدودةٍ وعلى وجهٍ محدودٍ، وأُقيمت في الجماعةِ في المساجدِ الَّتي تُقامُ فيها الفرائضُ، أو المواضعِ الَّتي تُقامُ فيها السُّننُ الرَّواتبُ؛ فذلكَ ابتداعٌ.

والدَّليلُ عليهِ أنَّهُ لم يأتِ عن رسولِ اللهِ صلَّى اللهُ عليهِ وسلَّمَ ولا عن أصحابِهِ ولا عنِ التَّابعينَ لهم بإحسانٍ فعلُ هذا المجموعِ هكذا مجموعًا، وإن أتى مُطلقًا من غيرِ تلكَ التَّقييداتِ، مشروعًا في التَّقييدِ في المُطلقاتِ الَّتي لم تثبت بدليلِ الشَّرعِ تقييدُها رأيٌ في التَّشريعِ، فكيفَ إذا عارضهُ الدَّليلُ، وهو الأمرُ بإخفاءِ النَّوافلِ مثلًا (الإعتصام للشاطبی: ج ۱ ص ۲۵۴)

''جب کوئی نفل نماز سنن رواتب (سنن موکدہ) کے التزام کے ساتھ خاص طریقہ کے ساتھ ہمیشہ کے لئے یا محدود اوقات میں ان مساجد اور مقامات میں باجماعت پڑھی جائے گی، جہاں فرائض اور ونن رواتب ادا کی جاتی ہوں تو یہ نماز بدعت ہوگی۔ کیونکہ ایسی نماز نہ تو رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے نہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظامؒ سے منقول ہے۔ اور مطلق عبادات میں اپنی طرف سے قیود لگانا دراصل ازخود شریعت میں تصرف کرنے کے مترادف ہے۔ یہ حکم تو اس صورت میں ہے جبکہ اس خاص نماز کے خلاف شرعی دلیل موجود نہ ہو لیکن یہاں تو اس طرح کی ازخود تیار کردہ نماز کے خلاف شرعی دلیل بھی موجود ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نوافل کو چھپا کر پڑھنے کا حکم دے رکھا ہے، لہٰذا اس صورت میں یہ نماز بالاولیٰ بدعت قرار پاتی ہے۔

هذا ما عندي واللہ اعلم بالصواب

فتاویٰ محمدیہ

ج1ص494

محدث فتویٰ